التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۲، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مولانا مفتی محمود کی تفسیری خدمات

ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی

Mufti Mehmood was a prominent political & religious visionary of 20th century having a deep wisdom in Quranic knowledge, Hadith and Fiqh. He had a strange command over the solutions of most complicated problems in Fiqh & Ifta. He trained a large number of students in religious fields of Tafseer, Hadith & Fiqh, whom brought forward his work by compilations in Book form.

Mufti Mehmood was a political leader, a visionary thinker and a traditionalist of high caliber. Though due consideration has not been given to his scholarly works however now his followers are bringing his contribution in written form. Tafseer-e-Mehmood is also one of his legendary piece of work in the field of Quranic Commentaries. It

has been recently published. The said work is comprised of his lectures reproduced by his students and a group of scholars.

In the said commentary, the Quranic translation of Maulana Ahmed Ali Lahori has been used and a comprehensives preface has also been incorporated. As the Fiqh is the special field of the author therefore in his Quranic Commentary he has also discussed so many issues of Fiqh, particularly he has enlightened contemporary issues with a deep vision and wisdom. He has also fully analyzed the present laws of the country in the light of Quran and Sunnah.

His commentary is very rich by his Quranic arguments against false concepts of various religions and proves Islam as final and true code of life.

مختصر حالاتِ زندگی:۔ مجیب الرحمٰن شامی مولانا مفتی محمودؒ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پیشانی کشادہ، مطلع انوار، آنکھیں روشن، زندہ و بیدار، ابھرے ہوئے مسکراتے رخسار، گندمی رنگ میں سرخی کے آثار، سر کے بال پٹے دار، داڑھی پھیلی ہوئی باوقار، سیاہی پر سپیدی ژالہ بار، شانے چوڑے اور مضبوط، مردانہ وار، ناک ستواں، قد میانہ، جسم گٹھا ایک شجر سایہ دار، پرسکون جیسے دامن کوہسار، لباس سے سادگی آشکار، کندھوں پر مستقل رومال کر جسد خاکی کا حاشیہ بردار، دمِ گفتگو دلیل کی گفتار، دمِ جستجو فرض کی پکار... میدان سیاست کا شہسوار اہل دین کے لیے سرمایہ افتخار، اہل دل کے لیے وجہ قرار، دیوبند کے گلے کا ہار، پاکستان پر سو جان سے نثار، افغانستان پر اشک بار، جہادی للکار، (اس سے) لرزہ براندام اشتراکی و سرمایہ دار، ہر جنس بازار، وہ ایک کلمہ پائیدار، باوقار، باکردار، عابدِ شب زندہ دار، روایات

اسلاف کا نگہ دار ، رحمت پروردگار" (۱)

مولانا مفتی محمودؒ ۱۹۱۹ء میں صوبہ سرحد کے شہر ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مقام پنیالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کا تعلق افغانوں کے مشہور قبیلہ ناصر سے ہے ، والد کا نام خلیفہ محمد صدیق ہے ، جو عالم ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت کے سلاسل اربعہ میں خلیفہ مجاز تھے ، ذکر وتلقین بطریقہ نقشبندیہ مجددیہ فرمایا کرتے تھے ، والد موصوف افغانستان سے یہاں ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان میں پنیالہ کے مقام پر آکر مستقل سکونت اختیار کر گئے تھے۔ مفتی محمود نے ناظرہ قرآن حکیم اپنے والد صاحب سے پڑھا ، فارسی اور فقہ کی ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب اور مولوی شیر محمد سے پڑھیں۔ آپ نے ۱۹۳۳ء میں پنجاب بورڈ سے مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول پنیالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ سکول کی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کے والد صاحب نے آپ کو حضرت سید عبدالعزیز شاہ کے پاس ابا خیل بھیجا ، شاہ صاحب نے آپ کو صرف ونحو ، فقہ واصول فقہ اور علم منطق کے ابتدائی رسائل پڑھائے۔ ۱۹۳۶ء میں آپ علوم اسلامیہ کی تکمیل کے لئے برصغیر کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے مگر چند ماہ گزارنے کے بعد آپ کو مراد آباد کے شاہی مدرسہ میں داخل کر دیا گیا ، گو کہ آپ دارالعلوم دیوبند کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے مگر والد صاحب کے حکم پر آپ کو وہاں سے جانا پڑا۔ مراد آباد کے شاہی مدرسے میں مفتی صاحب چھ سال تک زیر تعلیم رہے ، اس کے بعد آپ مدرسہ اسلامیہ امروہہ میں داخلہ لے کر زیر تعلیم رہے ، اس طرح آپ نے علم فقہ ، معانی ، تاریخ ، فلسفہ ، منطق ، علم کلام ، ہیئت ، ہندسہ ، حساب ، فقہ ، حدیث وتفسیر اور قرات سبعہ وعشرہ کے تمام علوم مکمل کر لئے۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد ماجد کے علاوہ مولوی شیر محمد پنیالوی ، مولانا عجب نور ، مولانا سید محمد میاں ، مولانا فخر الدین اور مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہوی وغیرہ شامل ہیں۔ مفتی محمود نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (جو آپ کے ابتدائی استاد تھے) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ، شاہ صاحب نے سلاسل اربعہ میں انہیں مجاز فرمایا تھا۔

سیاسی سفر کا آغاز آپ نے اس طرح کیا تھا کہ ۱۹۴۳ء میں آپ جمعیت علماء ہند کے کونسلر مقرر ہوئے اور تقسیم ملک کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی جماعت جمعیت علماء اسلام کے

ممبر بنے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ مدرسہ قاسم العلوم ملتان سے منسلک ہوئے اور کافی عرصے تک آپ وہاں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں آپ قومی اسمبلی کے ممبر بنے ، جبکہ ۱۹۷۲ء میں آپ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے۔ وزارت اعلیٰ کی یہ مدت صرف چند مہینے تک رہی۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت اور اس کے بعد ۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفےٰ میں آپ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ خاص کر ۱۹۷۴ء کی تحریک میں آپ نے قائدانہ کردار کیا ، قومی اسمبلی میں آپ ہی نے امت مسلمہ کے ترجمان اور وکیل کی حیثیت سے مرزائیوں کے دونوں گروہوں (قادیانی ، لاہوری) پر جرح کرکے قومی اسمبلی سے ان کے کفر کا فیصلہ حاصل کیا اور ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا۔ (۲) مولانا مفتی محمودؒ نے اگر ایک طرف قومی اسمبلی کے ایوان میں اس فتنہ عظیم کے خلاف امت مسلمہ کے ترجمان اور وکیل کی حیثیت سے بھرپور کردار ادا کیا تو دوسری طرف ملک بھر میں اس تحریک کو کامیابی کے ساتھ چلانے اور اس سلسلے میں عوامی بیداری کی مہم میں بھی آپ نے موثر کردار ادا کیا ، جیسا کہ خواجہ خان محمدؒ سابق امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لکھتے ہیں :

"تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کی کامیابی ان کا دوسرا بڑا کارنامہ ہے ، اس تحریک میں بھی بلاشبہ دوسرے تمام مکاتب فکر کے علماء ، طلباء اور کارکن شامل تھے ، ان تمام مجاہدین نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کی قیادت میں بڑی بے جگری سے ختم نبوت کی جنگ لڑی لیکن پارلیمانی محاذ پر دشمنان ختم نبوت کی شکست مفتی صاحب کی بے پناہ علمی ، سیاسی اور فکری کوششوں کا نتیجہ تھی۔ بصرف یہی نہیں کہ وہ قومی اسمبلی میں قادیانیوں سے آئینی جنگ اور قادیانی جماعت کے سربراہ سے علمی مباحثوں میں مصروف رہے قومی محاذ پر بھی وہ تقریر وخطابت کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے دلوں کو گرماتے اور جذبوں کو بیدار کرتے رہے ، اس سلسلے میں ملک بھر میں ہونے والے تمام بڑے اجلاسوں میں وہ بنفس نفیس شریک ہوئے" (۳)

مولانا مفتی محمود کا انتقال ۱۹۸۰ء کو کراچی میں ہوا اور رحلت بھی اس حال میں فرمائی کہ حج پر جانے کا پروگرام تھا ، مدرسہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں علماء کی مجلس میں تشریف فرما تھے اور مسئلہ زکوٰۃ پر خالص مذہبی اور علمی گفتگو ہو رہی تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولانا مفتی محمود کی علم تفسیر وحدیث اور فقہ وافتاء پر گہری نظر تھی ، آپ پیچیدہ سے پیچیدہ

مسائل کو حل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے ،ایک مدرس ومعلم کی حیثیت سے ہزاروں طلباء کو تفسیر وحدیث اورفقہ کی تعلیم دی ،جس کو ان کے شاگردوں نے آگے بڑھایا ،مفتی صاحب کے یوں تو ہزاروں شاگرد ہیں مگر ان میں چند مشہور شاگردوں میں مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازی ،مولانا سید حامد میاں ،مولانا محمد رمضان ،مولانا نورمحمد اور قاری محمد حنیف وغیرہ شامل ہیں ۔مفتی صاحب کو اگر چہ گوناگوں مصروفیات کے باعث تصنیف وتالیف کا زیادہ موقعہ نہ مل سکا مگر پھر بھی آپ نے بعض تصانیف یادگار چھوڑی ہیں ،جن کی افادیت مسلمہ ہے ،ان میں (۱) زبدۃ المقال فی رؤیۃ الھلال (۲) المعتنی الفادیانی من هو ؟تو آپ کی حیات میں طبع ہوچکی تھیں اور (۳) التسهیل لاحکام التنزیل (۴) زاد المنتھیٰ شرح سنن الترمذی ،آپ کی وفات کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئیں ،یہ چاروں تصانیف فصیح عربی میں ہیں ،جبکہ مزید دو تصانیف یعنی فتاویٰ محمود (جس کی تادم تحریر گیارہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں) اورتفسیر محمود حال ہی میں شائع ہوئی ہیں ۔(۴)

حضرت مولانا مفتی محمودؒ ایک سیاسی رہنما ،عظیم مفکر ومدبر اور بڑے پایہ کے فقیہ ومحدث تھے ۔آپ کے کارناموں ،علم وعمل ،بحث وتحقیق پر جس طرح کام ہونا چاہیے تھا ،اس انداز پر نہیں ہوا ،تاہم اب آپ کے بعض منتسبین ان کے علوم ومعارف کے مدفون خزانے منصۂ شہود پر لانے کی کوشش کررہے ہیں ۔سب سے پہلے آپ کے دارالافتاء کے کارناموں کی ترتیب وتدوین کا عمل جاری ہے اور اس کے بہت سے اجزاء ترتیب وتہذیب اور نظم وتدوین کے مراحل سے گزر کر شائع ہوچکے ہیں ۔حال ہی میں ان کے تفسیری کمالات تفسیر محمود کے عنوان سے منظر عام پر آچکے ہیں اور امید ہے کہ دیگر کارنامے بھی جلد شائع ہونا شروع ہوجائیں گے ۔

تفسیری خدمات : اللہ تعالیٰ نے مولانا مفتی محمودؒ کو دیگر علوم کے علاوہ تفسیر قرآن حکیم کا خاص ذوق اورخصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا ،آپ کے فقہی استدلالات میں جابجا قرآنی آیات اوران کی تفسیر کے حوالے ملتے ہیں ،عام بیان میں بھی آپ قرآن حکیم کی آیات اوراس کے مفہوم کونہایت دلنشین انداز میں بیان فرماتے تھے ،آپ کی تفسیر وحدیث سے خصوصی شغف کی بناپر مولانا ایوب جان بنوری لکھتے ہیں :

"مفتی محمود علم کے حوالے سے بہت بڑے آدمی تھے ،ان کوخدا نے مجتہدانہ بصیرت عطا فرمائی تھی ،وہ بیک وقت محدث ،مفسر،مفتی اورقومی رہنما تھے ... بحیثیت مفسر اورشیخ الحدیث ان کی ٹکر کے بہت کم لوگ دیکھنے میں آئے ہیں "(۵)

مولانا مفتی محمودؒ نے ۱۹۷۶ء میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی علمی جولانگاہ شیرانوالہ گیٹ لاہور میں اکابر علماء کی خواہش اور جانشین حضرت لاہوریؒ مولانا عبیداللہ انورؒ کے اصرار پر دورہ تفسیر پڑھانے کی ذمہ داری قبول فرمائی جیساکہ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ اس حوالے سے اپنے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں :

"ہمارے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ علوم اسلامیہ کے فارغ التحصیل علماء اور منتہی طلباء کو رمضان شریف سے ذوالحجہ تک قرآن کریم کا دورہ پڑھاتے تھے ،تقسیم ملک سے قبل دارالعلوم دیوبند سمیت تمام بڑے بڑے مدارس کے ہونہار طلباء اس درس میں شریک ہوتے تھے ،الحمدللہ یہ سلسلہ اب تک قائم ہے ،لیکن وقت میں بوجوہ تبدیلی کردی گئی ہے ،چند سال پہلے ہم نے مفتی صاحب مرحوم سے اس جماعت کو پڑھانے کے لیے کہا ،یہ وہ صاحب کا دور اقتدار تھا اور حالات سخت دگرگوں ،لیکن انہوں نے کمال شفقت سے اس کو منظور کرلیا ،اس مقصد کی خاطر جب وہ لاہور تشریف لائے تو مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ لاہور کی عمارت میں قیام فرمایا ۔مدرسے کی عظیم الشان لائبریری کھلوائی اور قرآن کریم کی جتنی قدیم تفاسیر اس میں تھیں ،وہ نکلوائیں ۔اس کے علاوہ جامعہ مدنیہ کے کتب خانے سے بعض تفاسیر منگوائیں ،کچھ دوستوں اورعزیزوں سے ذاتی کتابیں حاصل کیں ،یہاں تک کہ ان کی چارپائی کے نزدیک جو بڑی میز تھی ،وہ تفاسیر سے بھرگئی ،ان میں عربی اوراردو کے علاوہ ایسے لوگوں کی تفاسیر بھی تھیں جو عام طورپر دینی اورعلمی حلقوں میں پسندیدہ نہیں سمجھی جاتے ،تقریباً چھ گھنٹے روزانہ اس طرح پڑھاتے کہ نصف وقت کے بعد چند لمحوں کے لیے وقفہ کرتے اوراس وقفے میں چائے کی ایک پیالی نوش جاں فرماتے (رمضان کی آمد کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا) اس جماعت میں الگ الگ ڈیڑھ صد طلباء شریک ہوتے ،چونکہ آپ کے زیر درس زیادہ تر حدیث اورفقہ کے اسباق رہے تھے ۔اس لیے حیرانی ہوئی کہ پہلی بار تفسیری اسباق کس شان سے پڑھائے جارہے ہیں ، اسلاف کی متعین

راہوں پر چل کر قرآنی نکات کا بیان اور جدید افکار پر ٹھوس اور متین تنقید انہی کا کام تھا"(۶)

حضرت مفتی محمود کے دورہ تفسیر میں شریک ہونے والے متعدد اہل علم نے اس موقع پر ان کے تفسیری نکات اور فوائد کو قلم بند کیا۔ ان علماء نے قلم و قرطاس کے ذریعے کچھ خزینے محفوظ کر لئے جو دفینوں کی شکل میں محفوظ چلے آ رہے تھے۔ مفتی محمد جمیل شہید نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان دفینوں کو سفینوں میں منتقل کر کے امت مسلمہ کو ان سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے۔ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ مولانا محمد یوسف خان کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے پاس یہ علمی خزانہ محفوظ تھا۔ یہ امالی حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اس کام کی ذمہ داری محمد ریاض درانی کے سپرد کی، جنہوں نے مولانا فضل الرحمن کی مشاورت سے اس کام کو شروع کیا۔ حضرت مفتی محمد جمیل نے اس کام کی ترتیب وتکمیل فرمائی۔ حضرت مولانا محمد یوسف خان کو اس کا نگران اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل حضرت مولانا عبدالرحمن کو اس کام کی ترتیب وتسوید پر مامور فرمایا گیا جنہوں نے نہایت محنت ودیدہ ریزی سے اس قلمی دستاویز کو صاف کیا، اسے امالی سے تفسیری انداز میں منتقل فرمایا، جہاں تشنگی تھی، اس کی تکمیل فرمائی۔ قرآن حکیم کے ترجمے کے لئے امام اولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے ترجمے کو منتخب کیا گیا۔

زبان کی نوک پلک کی درستگی اور نظر ثانی دینی حلقے کے قدیم کارکن پروفیسر امجد علی شاکر پرنسپل گورنمنٹ کالج قصور کے حصے میں آئی۔ یوں تفسیر محمود مرتب ہو کر کمپوزنگ کے مرحلے میں داخل ہوگئی۔ جب تفسیر محمود کی کمپوزنگ ہوگئی تو اس کی مزید اصلاح وترتیب کے لئے حضرت مولانا عبدالرحمن، مولانا ریاض درانی اور پروفیسر امجد علی شاکر نے اس پر نظر ثانی کی اور ان سب کے بعد اس جماعت نے مکرر حضرت مفتی محمود کے شاگرد رشید حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان مدیر جامعہ مفتاح العلوم گوجرانوالہ کی سربراہی میں اس پر نظر ثانی کی۔ اسی اثناء میں جانشین مفتی محمود حضرت مولانا فضل الرحمن کو کہیں سے اس سلسلہ کی ایک دوسری امالی دریافت ہوگئی، انہوں نے ان حضرات سے فرمائش کی کہ اس سے بھی استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ ان حضرات نے ان دونوں مخطوطوں کا تقابل کیا اور جو چیزیں حضرت مولانا محمد یوسف خان کی امالی سے زائد ان امالی

میں موجود تھیں، ان کو حسب موقع درج کیا۔ یوں تفسیر محمود نہایت حزم واحتیاط کی چھلنی سے چھن کر ایک مکمل وجامع مگر مختصر تفسیر کی شکل میں تیار ہوگئی اور اس طرح پہلی دفعہ جولائی ۲۰۰۶ء میں تین جلدوں میں جمعیت پبلیکیشنز لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔(۷)

مذکورہ تفسیر کی سند اس طرح بیان کی گئی ہے۔ عن الاستاذ مولانا مفتی محمود عن الشیخ مولانا سید فخر الدین مراد آبادی عن الشیخ الھند مولانا محمود حسن عن الشیخ مولانا محمد قاسم نانوتوی، وعن الشیخ مولانا رشید احمد جنجوھی، عن الشیخ شاہ عبدالغنی مجددی وعن الشیخ مولانا احمد علی سھارنپوری، عن الشیخ الشاہ محمد اسحق دھلوی عن الشیخ شاہ عبدالقادر محدث دھلوی عن الشیخ استاذ الھند شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی عن الشیخ الامام الشاہ ولی اللہ دھلوی۔(۸)

تفسیر محمود میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہے۔

(۱) قرآن حکیم کا مکمل ترجمہ: تفسیر میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ دیا گیا ہے اور یہ کوئی نیا ترجمہ نہیں، بلکہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کے ترجمہ کو منتخب کیا گیا ہے۔

(۲) مقدمہ تفسیر: تفسیر کے شروع میں "تقدیم" کے عنوان سے ایک مفید مقدمہ دیا گیا ہے، جس میں اصول وتاریخ تفسیر سے متعلق بعض اہم اور مفید عنوانات کو زیر بحث لایا گیا ہے جن میں بعض اہم عنوانات درج ذیل ہیں۔

فضیلت قرآن اور فضیلت تعلیم وتعلم قرآن: اس عنوان کے تحت آٹھ احادیث کو درج کیا ہے۔

نزول قرآن: اس عنوان کے تحت نزول قرآن کا آغاز، مقام آغاز وحی، زمانہ نزول وحی، ترتیب نزول قرآن مکی اور مدنی سورتوں کی تفصیل درج ہے۔

جمع وتدوین قرآن: یہاں پر فاضل مؤلف نے جمع وتدوین قرآن کی کیفیت، جمع وحفاظت قرآن کے چاروں مراحل پر روشنی ڈالی ہے۔

نقاط وحرکات قرآن: اس عنوان کے تحت قرآن حکیم پر نقاط واعراب لگانے کی تفصیل فراہم کی گئی ہے۔

مسئلہ سبعہ احرف:۔ مذکورہ عنوان کے تحت سبعہ احرف کی تفسیر وتوجیہ میں مختلف اقوال پیش کئے گئے ہیں۔

الفرق بین التفسیر والتاویل :۔ اس عنوان کے تحت موصوف نے تفسیر کی لغوی واصطلاحی تعریف، تفسیر بالرائے کامفہوم، اقسام تفسیر بالرائے کو واضح کیا ہے۔

علوم القرآن :۔ اس عنوان کے تحت علوم خمسہ یعنی علم الاحکام، علم المخاصمہ، علم التذکیربالاء اللہ، علم تذکیر بایام اللہ اورعلم تذکیر بالموت ومابعدہ کوتفصیل سے بیان کیاہے۔

ناسخ ومنسوخ :۔ ناسخ ومنسوخ سے کیامراد ہے؟ نسخ کی کتنی قسمیں ہیں، مذکورہ سولات کے جوابات دینے کے ساتھ ساتھ ابن العربی کے قول کے مطابق جو بیس آیات منسوخ ہیں، ان کی تفصیل درج کی ہے۔

اسماء قرآن :۔ اس عنوان کے تحت قرآن کے چار مشہور اسماء یعنی القرآن، الفرقان، الکتاب اورالذکر کے مفہوم کو بیان کیاہے۔

(۳) رموز ودلائل کی توضیح :۔ مفتی محمود کی نگاہ بہت باریک بین ہے، آپ آیات میں پوشیدہ رموز ودلائل کو سامنے لاکر قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کو واضح کرتے ہیں، مثلاً سورت آل عمران کی آیت زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ(۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''نساء میں دو فتنے اور اولاد میں ایک فتنہ ہے۔ عورتوں میں ایک فتنہ معاشرتی ہے اور دوسرا مالی ہے۔ معاشرتی فتنہ عورت میں یہ ہے کہ شوہر کو قطع رحمی پر ابھارتی اور برانگیختہ کرتی رہتی ہے، کہ تمہاری والدہ نے یہ بات کہی ہے تمہارے والد نے یہ بات کہی ہے۔ نتیجتاً گھر میں معاشرت خراب ہوتی اور فتنہ برپا ہوجاتا ہے۔ شادی کے بعد بہن بھائیوں اور والدین سے اچھاسلوک تقریباً ختم ہوجاتا ہے۔ پھر الگ مکان اور رہن سہن کا مطالبہ کرتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ نان ونفقہ چونکہ شوہر کے ذمہ واجب ہے تو وہ غریب مجبور ہوتا ہے کسب حرام پر۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ میں حلال کمارہا ہوں یا حرام، کتنے لوگوں کو اذیتیں دے دے کر وہ اس کے جائز وناجائز مطالبوں کو پورا کرتا ہے، اس کی عاقبت تباہ ہوجاتی ہے، یہ مالی

فتنہ ہے۔ اولاد میں صرف مالی فتنہ ہے، معاشرتی فتنہ نہیں ہے، لہذا نساء کا فتنہ اشد واضر ہے اولاد کے مقابلے میں۔(۱۰)

(۴) مفردات کی تشریح:۔ آپ قرآن مجید کے مفردات کی تشریح وتفسیر فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں بہت سے نئے امور اور نئے نکات بیان فرماتے ہیں، مثلاً یہود کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہودی کو یہودی کیوں کہتے ہیں؟ ھاد یھود، اجوف واوی ہے، بمثل قال یقول یعنی تاب یتوب، ای رجع، انا ھدنا الیک ای تبنا الیک بمعنی تاب یعنی ہاد یہود، رجوع کرنے کے معنی میں ہے(۱۱) اسی طرح مباہلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مباہلہ، بہل سے ہے، بہل یبھل باب فتح یفتح سے ہے، بہلہ ای لعنہ ایک تو یہ لفظ لعنت کے معنی میں آتا ہے اوردوسرا دعاء میں عاجزی وانکساری کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔(۱۲)

(۵) علم کلام ومناظرہ:۔ یہ تفسیر آپ کے متکلمانہ ذہن کی عکاس بھی ہے، آپ قرآنی دلائل وحکم کی بہت اچھی تفسیر کرتے ہیں، بہت سے امور پر باطل مذاہب اور غلط خیالات کا خوبصورتی سے رد فرماتے ہیں اور مذہب حق کی حقانیت واضح فرماتے ہیں۔ مثلاً عقیدہ ختم نبوت سے متعلق مرزائیوں کا ایک شبہ نقل کرتے ہوئے اس کا ازالہ اس طرح کرتے ہیں:

''مرزائی عام طور پر ایک شبہ پیش کرتے ہیں کہ اگر کسی شیخ الحدیث کو خاتم المحدثین کہا جائے یا کسی متکلم کو خاتم المتکلمین کہا جائے تو کیا اب کسی اورمحدث اور متکلم کا پایا جانا ممنوع ہے؟ لہذا جیسے یہ ممنوع نہیں ہیں، اسی طرح خاتم النبیین کے بعد کسی اور نبی کا ہونا بھی ممنوع نہیں ہے، لیکن جواب اس شبہ کا ایک تو یہ ہے کہ انسان کے علم کو اللہ کے علم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے یعنی انسان اگر کسی کو خاتم المحدثین یا خاتم المتکلمین وغیرہ کہتا ہے تو فی الحال اس کے علم میں یہی شخص خاتم المحدثین یا خاتم المتکلمین ہوتا ہے، لیکن انسان کا علم قلیل اور محدود ہے، لہذا کل کو کسی اور جگہ کوئی اچھا اور ماہر شیخ الحدیث یا متکلم پایا جائے تو ایسا ہونا ممکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم تو کائنات کے ذرے

ذرے کو محیط ہے ،اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو خاتم النبیین فرمایا اور اس کے بعد بھی نبوت ملنے اور دینے کا سلسلہ جاری رہا تو کذب فی الکلام لازم آئے گا ۔دوسرا جواب یہ ہے کہ محدث یا متکلم ہونا ، ڈاکٹر یا انجینیر ہونا یہ سب باتیں کسب سے متعلق ہیں ،ان کے متعلق اگر کسی شخص کے لئے لفظ خاتم استعمال کیا جائے تو وہ مبالغہ پر محمول ہوگا ،اس سے ماعدا کی نفی لازم نہیں آئے گی ،جبکہ نبوت وہبی ہے ،اس کا کسب اور محنت سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا لفظ خاتم النبیین معنی حقیقی پر محمول ہوگا اور سیاق وسباق کا تقاضا بھی یہی ہے''۔(۱۳)

(۶)ربط آیات:۔ ربط آیات کے سلسلہ میں حضرت مولانا شیخ حسین علی اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے تفسیری انداز معروف اور متعارف ہیں ،مولانا مفتی محمود نے ربط آیات پر بھی کلام فرمایا ہے ،لیکن آپ ہر جگہ ربط کو لازم نہیں پکڑتے ،ربط ویسے بھی ذوقی ہے اور مفسر کا اجتہاد ہوتا ہے ،اسے منصوص نہیں کہا جا سکتا ۔حضرت مفتی صاحب نے جہاں جہاں فطری ربط محسوس کیا ہے ،وہاں وہاں ربط بیان فرمایا ہے ،البتہ بتکلف ربط بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ،سورۃ الفاتحہ اور بقرہ میں ربط بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

ا۔　سورۃ الفاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم دعا مانگی گئی تھی اور سورۃ بقرہ کی شروع کی پانچ آیات هُمُ الْمُفْلِحُونَ تک میں آپ کو بتلایا گیا ہے کہ ہدایت پر کون ہے اور کون نہیں یعنی تم نے جو ہدایت والا راستہ مانگا تھا اس پر چلنے کے لئے یہ اوصاف اپنانے ہوں گے ۔

۲۔　سورۃ فاتحہ میں ایک تو مومنین منعم علیہم کا ذکر تھا جو انبیاء ،شہداء وغیرہ تھے اور دو کافر فرقوں کا بیان تھا، المغضوب علیھم جو یہود ہیں ،الضالین جو نصاریٰ ہیں ، یہاں سورۃ بقرۃ کی ابتداء میں تین فرقوں کا ذکر ہے ،مومنین کا ذکر ھُم المفلحون تک ۔ولھم عذاب عظیم تک دو آیتوں میں کفار طحرین کا ذکر ہے ،پھر دوسرے رکوع کی ابتداء سے آخر تک منافقین کا ذکر ہے ،یہ بھی کافر ہیں جیسا کہ ارشاد ہے وماھم بمؤمنین یہ دو وجوہات ربط کی ہو گئیں ،اگرچہ مفسرین نے اور بھی بہت سی وجوہات بیان کی ہیں ،لیکن یہ دو کافی ہیں ۔(۱۴)

(۷)شان نزول :۔ فاضل مصنف آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اکثر مقامات پر شان نزول بھی بیان کرتے ہیں ،مثلاً آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ط (۱۵) کی شان نزول

بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کو قتال کے لئے بھیجا تو وہ جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ تھی ،رجب داخل نہ ہوا تھا ،رجب شہر حرام ہے ۔مسلمانوں نے سوچا کہ جمادی الثانیہ کے آخری ایام ہیں ،اس لئے قتال کی اجازت ہے ،انہوں نے قتال کیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ چاند ہو گیا تھا تو اس پر کافروں نے بڑا شور مچایا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ اشہر حرم کا احترام بھی نہیں کرتے اور دیکھو یہ حضور ﷺ اپنے لوگوں کو قتل اور لوٹ مار کا حکم دیتے ہیں ۔مسلمانوں نے یہ واقعہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ہم نے جرم کیا ہے ،اس لئے ہم عفو کے مستحق ہیں یا نہیں ؟اس پر یہ آیت اتری''(۱۶)

اسی طرح سورۃ عبس کی ابتدائی آیات کا شان نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ عتبہ بن ربیعہ ،ابوجہل اور حضرت عباسؓ تینوں کو بٹھا کر انہیں دین اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور دین متین کی حقانیت سمجھا رہے تھے ،اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم آگئے ،یہ نابینا صحابیؓ تھے ،انہوں نے حضور ﷺ سے ایک آیت کے الفاظ یا مفہوم سے متعلق پوچھا کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ نے جو علم آپؐ کو دیا ہے ،اس میں سے مجھ کو سکھلایئے ،اثنائے کلام میں حضرت عبداللہؓ کی یہ مداخلت اللہ کے رسول ﷺ کو ناگوار گزری اور آپؐ کے چہرہ انور پر ناراضی کے آثار صاف نظر آنے لگے ،حضور ﷺ برابر عظماء قریش کی طرف متوجہ رہے اور ان سے گفتگو فرماتے رہے تھے ،یہاں تک کہ جب وہ مجلس ختم ہوگئی اور آپؐ گھر تشریف لے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ عبس نازل فرمادی اور آپؐ کو بتلا دیا کہ توجہ کرنا چاہیے تھی اور جس لمحہ یہ آپؐ سے حصول علم کے خواستگار تھے ،اسی وقت ان کو فیض نبوت سے مستفید ہونے کا موقع ملنا چاہیے تھا''(۱۷)

(۸)تفسیر القرآن بالقرآن:۔ قرآن کا قاری اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اس میں ایجاز بھی ہے اور اطناب بھی ،اجمال بھی ہے اور تبیین بھی ،یہ مطلق ومقید اور عام وخواص سبھی کو شامل ہے ،جو چیز ایک جگہ مختصراً بیان ہوئی ہے ،دوسری جگہ تفصیلاً مذکور ہے اور جو چیز ایک اعتبار سے مطلق ہے وہ

دوسری جگہ دوسرے پہلو سے مقید ہے ،جو چیز ایک آیت میں عام ہے ،دوسری آیت میں خاص ہے لہذا جو شخص قرآن کی تفسیر کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک موضوع میں وارد ہونے والی تمام مکرر آیات کو جمع کرکے ان کا تقابل کرے ،یہی تفسیر القرآن بالقرآن ہے لہذا مفسرین کے نزدیک القرآن یفسر بعضہ بعضاً اس اصول کے مطابق مولانا مفتی محمود بھی بہت سے مقامات پر قرآنی آیات کی تفسیر قرآن حکیم میں موجود دیگر آیات کی مدد سے ہی کرتے ہیں ،مثلاً آیت وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖٓ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً ط (۱۸) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا ضابطہ اور قانون فطرت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک حکم کو مطلق چھوڑ دیں اور اس کے ظاہر پر عمل ممکن ہو تو پھر خواہ مخواہ تعمق میں پڑ کر طرح طرح کے سوالات کرنا بے ادبی بھی ہے اور اپنے لئے دائرے کو تنگ کرنے والی بات بھی ہے ،چنانچہ ارشاد ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ ج وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ ط عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا ط (۱۹) "اے ایمان والو نہ سوال کیا کرو ایسی باتوں کی نسبت اگر ظاہر کردی جائیں تم پر تو تمہیں تکلیف ہو،اور اگر تم پوچھو ان کی بابت جبکہ قرآن نازل ہورہا ہو تو وہ ظاہر کردی جائیں تم پر ،درگزر کیا اللہ نے ان سے "۔(۲۰)

اسی طرح سورۃ الاعراف کی آیت وَاْمُرْ قَوْمَکَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِھَا (۲۱) "(اے موسیٰ) اپنی قوم کو حکم کر کہ اس (تورات) کی اچھی باتوں پر عمل کریں" یہاں بظاہر یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ تورات کتاب اللہ ہونے کی وجہ سے تمام اچھی باتوں پر مشتمل تھی تو پھر کیسے فرمایا گیا کہ یاخذوا باحسنھا جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں اسم تفضیل کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے جو اس بات کی طرف مشیر ہے کہ بعض باتیں حسن ہیں اور بعض احسن ہیں ،جیسے قرآن حکیم میں ارشاد ہے وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا (۲۲) "اور جب تمہیں دعا دی جائے سلامتی کی تو اسے بہتر دعا دو یا وہی لوٹا دو" اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو جواب میں کہے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تو یہ جائز (حسن) ہے اور اگر جواب میں کہے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو یہ احسن ہے ۔(۲۳)

(۹) تفسیر القرآن بالحدیث: تفسیر قرآن کا ماخذ ثانی حدیث ہے ،اس لئے فاضل مصنف اکثر مقامات پر آیات کی تفسیر کرتے ہوئے احادیث سے استفادہ کرتے ہیں ، مثلاً آیت وَاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ (۲۴) کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں "جب کوئی مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے ،پھر اگر وہ اس گناہ سے توبہ کرلیتا ہے اور استغفار کرتا ہے تو اس کا دل (اس نقطہ سیاہ سے) صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر زیادہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے ،یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے (۲۵) پس یہ ران یعنی زنگ ہے ،جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ،یوں ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر یہ اس چیز (گناہ) کا زنگ ہے جو وہ کرتے تھے (یہاں تک کہ ان کے دلوں میں خیر اور بھلائی بالکل نہیں رہی) (۲۶)

اسی طرح سورۃ یونس کی آیت لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ (۲۷) یعنی اللہ کے نیک بندوں کو جنت بھی ملے گی اور کچھ زائد بھی ،کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "زیادت کی تفسیر صحیح احادیث میں دیدار خداوندی سے کی گئی ہے ،حضرت صہیب ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں چلے جائیں گے تو جنت میں ایک منادی آواز دے گا کہ تم لوگوں سے اللہ تعالیٰ کا ایک وعدہ ہے ،اللہ تعالیٰ اسے پورا کرنا چاہتے ہیں لوگ سوال کریں گے کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر نعمت سے سرفراز نہیں فرمایا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے نورانی نہیں بنائے ؟ پھر اللہ تعالیٰ تجلیات اٹھائیں گے اور تمام اہل جنت دیدار خداوندی سے لطف اندوز ہوں گے اور دیدار خداوندی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہ ہوگی ،اس دیدار سے اہل جنت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی" (۲۸)

(۱۰) فقہی احکام کا استنباط: چونکہ فقہ فاضل مصنف کا مستقل موضوع ہے اور فقہ کے حوالے سے آپ مفتی کہلائے ،بلکہ مفتی تو گویا آپ کے نام کا جزء ہوگیا ،اس لئے آپ احکام شرائع کے حوالے سے کمال درجے کی بحث فرماتے ہیں ،خصوصاً عصر حاضر کے جدید اور سائنسی وسیاسی مسائل پر انتہائی بصیرت کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں ،مثلاً "رجم میں پتھروں کی جگہ گولیوں کی بوچھاڑ" سے متعلق مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"بعض علماء کی مجلس میں یہ بات ہوئی کہ فی زمانہ رجم کیسے کرنا چاہیے؟ یہ بحث آئی کہ اگر پتھروں کی جگہ گولیوں کی بوچھاڑ کردی جائے تو یہ رجم ہوگا یا نہیں؟ میں نے اس بات کی مخالفت کی اور کہا کہ پتھر ہی مارنے چاہییں اور دلیل یہ دی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ رجم حدود میں سے ہے اور حدود کے لئے قانون یہ ہے کہ الحدود تندری بالشبہات یعنی ثبوت جرم میں شبہ ہوجانے کی وجہ سے حدود ختم ہوجاتے ہیں اور ان کا حکم لاگو نہیں ہوتا لہذا اگر کوئی زنا کا اعتراف کرلے اور اس کو سنگسار کرنا شروع کردیا جائے اور وہ شخص اپنے اعتراف واقرار سے پھر جائے تو پھر اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور مزید سزا نہ دی جائے گی، جیسے ماعز بن مالک اسلمیؓ بھاگ گئے تھے۔ایک شخص نے اونٹ کی ہڈی اٹھائی اور ماردی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بھاگ گیا تو اس کا بھاگنا رجوع کے حکم میں ہے۔اسی طرح جس کے خلاف چار گواہ ہوں تو ان کے سامنے رجم کیا جائے تاکہ گواہ اس سختی کو دیکھ کر خدانخواستہ اگر انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہو تو نرم پڑ جائیں۔البتہ شہادت سے رجوع کے بعد ان پر حد قذف اسی[۸۰] کوڑے لگائے جائیں گے اور گولیوں کی بوچھاڑ کے بعد مندرجہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت ممکن نہیں، نہ گواہ کے لئے اور نہ مجرم کے لئے لہذا اس صورت میں گولیوں کی بوچھاڑ کی سزا قطعاً درست نہیں ہے۔آج سعودی عرب والے پتھر نہیں مارتے، وہ چھرے مارتے ہیں، اس میں بھی تھوڑی سی گنجائش ہے، لیکن گولی والی صورت تو بالکل جائز نہیں ہے"(۲۹)

اس سلسلے میں جن دیگر جدید اور سائنسی مسائل پر آپ نے روشنی ڈالی ہے، ان میں مشینی ذبیحہ (۳۰) خاندانی منصوبہ بندی (۳۱) خلائی اسٹیشن کا قیام (۳۲) لاؤڈ سپیکر کا استعمال (۳۳) رویت ہلال کمیٹی (۳۴) وغیرہ شامل ہیں۔

(۱۱) مروجہ قوانین پر بحث: تفسیر محمود کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس تفسیر کے فاضل مصنف ملک میں رائج قوانین پر بھی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، مثلاً "شرعی عدت اور ہمارے عائلی قوانین" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"ہمارے عائلی قوانین میں عورت کی عدت کے لئے ۹۰ دن مقرر ہیں، آگے اس کی کوئی تفصیل ہے نہ وضاحت۔حالانکہ حیض کے ذریعہ گزرنے والی عدت ۳۹ دن بھی ہوسکتی ہے

اور یہ کم سے کم مدت ہے۔صورت اس کی یہ ہے کہ اگر طہر کے اختتام پر طلاق دی ہو اور متصل ہی حیض شروع ہوجائے اور یہ بات سب پر عیاں ہے کہ حیض کی کم از کم مدت ۳دن اور طہر کی کم از کم مدت ۱۵ دن ہے۔تو پہلے حیض ۳دن پھر طہر ۱۵ دن، پھر حیض ۳دن پھر طہر ۱۵ دن پھر تیسرا حیض ۳دن، یہ کل ۳۹ دن ہوگئے۔گویا عدت کی کم از کم مدت ۳۹ دن ہوسکتی ہے، لیکن عائلی قوانین بنانے والوں نے ۹۰ دن مقرر کئے ہیں۔یہ اب بھی بضد ہیں۔کسی کی بات سننے اور سمجھنے کے روادار نہیں ہیں، لیکن یہ انتہائی بے وقوفی کی بات ہے۔عدت کو ۹۰ دن کے ساتھ خاص کرنا صریح نص کے مخالف ہے۔یہ ۹۰ دن والی عدت صرف دو قسم کی عورتوں کی عدت ہوسکتی ہے، اول جس لڑکی کو صغرسنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، دوم جس عورت کو بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔پھر مزے کی بات یہ ہے کہ جو عورت غیر مدخول بہا ہو اور اسے طلاق دی جائے تو اس کی عدت ہے ہی نہیں، لیکن عائلی قوانین میں اس کے لئے بھی ۹۰ دن مقرر ہیں۔یہ صریح نص کی مخالفت ہے لیکن وہ لوگ بضد ہیں، اب اس قانون کو بدلتے بھی نہیں"۔(۳۵)

اس سلسلے میں جن دیگر مروجہ قوانین کو آپ زیر بحث لائے ہیں، ان میں کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کی تقرری (۳۶) پاکستانی قانون میں پوتے کی وراثت (۳۷) وغیرہ جیسے اہم مسائل شامل ہیں۔

(۱۲) شبہات کا مدلل جواب: فاضل مصنف اپنی تفسیر میں مختلف ذہنوں میں پیدا ہونے والے شبہات کا مدلل انداز میں جواب دیتے ہیں، مثلاً جہاد اکبر واصغر سے متعلق شبہہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آج کل ہمارے نوجوان اس بات میں شبہ کرتے ہیں کہ دیگر اعمال کے مقابلے میں جان کی بازی لگا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کو قربان کرنا کتنی بڑی قربانی ہے، لیکن پھر بھی اس کو جہاد اصغر کہا گیا، آخر کیوں؟ یہ عجیب سی بات ہے، اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نفس کے تقاضوں کو علی الدوام کنٹرول کرنا یہ بہت مشکل کام ہے۔کوئی شخص اس کو پابندی سے سرانجام نہیں دے سکتا، لیکن جہاد میں کود جانا آسان ہے۔بسا اوقات انسان جذبات میں آکر قتل ناحق

کا مرتکب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول کا ارشاد ہے القاتل و المقتول کلاهما فی النار (۳۸) یعنی مارنے والا اور مارا جانے والا دونوں جہنم میں جائیں گے ۔ جان دینا آسان ہے لیکن ہمہ وقت نفس پر کنٹرول کرنا بڑا مشکل ہے ۔ آپ لوگوں نے دیکھا نہیں کہ معمولی پریشانی کی وجہ سے لوگ خودکشی کر لیتے ہیں ۔ بچہ امتحان میں فیل ہوا تو طعنہ کے خوف سے خودکشی کر لی ۔ یہ بچہ دراصل اپنے نفس پر کنٹرول نہ کر سکا لیکن یہ اپنی جان دینے کو تیار ہو گیا ، لوگ اس گھٹن کو جان دینے پر فوقیت دیتے ہیں ۔ مشکلات پر مسلسل قابو رکھنا ضبط نفس ہے ۔ کئی دفعہ آدمی صرف بھوک سے عاجز آ کر بیوی بچوں کو قتل کر دیتا ہے ، اس لئے کہ جان دینا آسان ہے ۔ بہت سے لوگ روزے اس لئے نہیں رکھتے کہ ان میں برداشت نہیں ہے ۔ مسلسل مشکلات کو اپنانا یہ جہاد اکبر ہے ۔ اسی لئے یہ فرمایا کہ جہاد اکبر تو سر کر لو جہاد اصغر پھر کر لیا ''(۳۹)

خلاصہ یہ کہ تفسیر محمود بہت سی خصوصیات کی حامل تفسیر ہے ، خاص کر مختلف فقہی مسائل اس میں بکثرت بیان ہوئے ہیں ۔

حوالہ جات

(۱) حبیب الرحمن شاہی مدیر قومی ڈائجسٹ (مفتی محمود نمبر) لاہور ، ج ۳ ، ش ۹ ، فروری ۱۹۸۱ء ، ص ۹۵ ۔

(۲) اس سلسلے میں قومی اسمبلی کی تفصیلی کارروائی کے لیے ملاحظہ ہو : مولانا اللہ وسایا (مرتب کنندہ) قومی اسمبلی میں قادیانی مقدمہ (تاریخی قومی دستاویز ، ۱۹۷۴ء) ملتان ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ ، اشاعت دوم ، ۱۹۹۶ء ۔

(۳) حضرت مولانا خواجہ خان محمد : '' ان کے یہ نہیں کارنامے ۔۔۔ '' بحوالہ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ ، مفتی محمود نمبر ، ص ۱۱۴ ۔

(۴) مولانا مفتی محمود کی تفصیلی حالات زندگی اور خدمات کے لئے ملاحظہ ہو : عبدالحکیم اکبری ، مولانا مفتی محمود کی علمی دینی اور سیاسی خدمات ، ڈیرہ اسماعیل خان ، مکتبۃ الحمید ، ۲۰۱۰ء ۔ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ (مفتی محمود نمبر) لاہور ، ج ۳ ، ش ۹ ، فروری ۱۹۸۱ء ، ہفت روزہ ترجمان اسلام (مفتی محمود نمبر) لاہور ، شیرانوالہ گیٹ ، ج ۲۳ ، ش ۱۶ ، ۱۷ ، اپریل ۱۹۸۱ء ۔

(۵) مولانا ایوب جان بنوری : '' ایک مرد قلندر ... '' بحوالہ قومی ڈائجسٹ ، مفتی محمود نمبر ، ص ۱۱۷ ۔

(۶) مولانا عبید اللہ انور : '' مفتی صاحب کو یقین ہو گیا '' قومی ڈائجسٹ ، ص ۱۴۱ ۔

(۷) محمد ریاض درانی وغیرہ (مرتبین) تفسیر محمود ، لاہور ، جمعیت پبلی کیشنز ، ۲۰۰۷ء ، ج ۱ ، ص ۲۳ ـ ۲۵ ۔

(۸) ایضاً ، ج ۱ : ص ۳۵ ۔

(۹) ال عمران ۳ : ۱۴ ۔

(۱۰) تفسیر محمود ، ج ۱ : ص ۳۸۹ ، ۳۹۰ ۔

(۱۱) ایضاً ، ج ۱ : ص ۴۸۰

(۱۲) ایضاً ، ج ۱ ، ص ۲۱۰ ، نیز مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ج ۱ ، ص ۲۸۰ ، ۲۸۸ ، ۲۱۰ ، ۲۱۹ ، ۲۴۰ ، ۲۶۷ ، ج ۳ ، ص ۶۹ ، ۱۳۸

(۱۳) ایضاً ، ج ۳ ، ص ۱۱۵ ، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ج ۱ ، ص ۱۴۷ ، ۲۵۵ ، ۲۵۷ ۔

(۱۴) ایضاً ، ج ۱ : ص ۱۳۸ ، ۱۳۹ ۔

(۱۵) البقرۃ ۲ : ۲۱۷ ۔

(۱۶) تفسیر محمود ، ج ۱ : ص ۳۳۱ ، ۳۳۲ ، اس واقعہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محمد عبدالملک بن ہشام ، السیرۃ النبویۃ ، کوئٹہ ، مکتبہ معروفیہ ، ج ۱ ، ص ۳۵۵ ـ ۳۵۷

(۱۷) تفسیر محمود ، ایضاً ، ج ۳ : ص ۴۳۰ ، یہ روایت (الفاظ کے تغیر کے ساتھ) سنن ترمذی میں موجود ہے ، ملاحظہ ہو : ابواب التفسیر ، تفسیر سورۃ عبس ۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر محمود ، ج ۱ : ص ۲۹۷ ، ۲۵۸ ، ۲۹۳ ، ج ۲ : ص ۱۴۳ ، ۲۵۰ ، ج ۳ : ص ۹۸ ۔

(۱۸) البقرۃ ۲ : ۹۷

(۱۹) المائدۃ ۵ : ۱۰۱

(۲۰) تفسیر محمود ، ج ۱ : ص ۴۳۹ ۔

(۲۱) الاعراف ۷ : ۱۴۵

(۲۲) الانفال ۸ : ۸۶

(۲۳) ایضاً ۸ : ۹۸

(۲۴) البقرۃ ۲ : ۸۱ ۔

(۲۵) سنن ترمذی ، ابواب التفسیر ، تفسیر سورۃ المطففین ۔

(۲۶) تفسیر محمود ۱ : ۲۴۸ ۔

(۲۷) یونس ۱۰ : ۱۶

(۲۸) تفسیر محمود ، ج ۳ : ص ۲۰۲ ۔ حدیث کے لئے ملاحظہ ہو صحیح مسلم ، کتاب الایمان باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ لربهم

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر محمود ، ج ۱ ، ص ۱۹۵ ، ۲۰۲ ، ۲۵۰ ، ۲۹۵ ، ۵۱۳ ، وغیرہ ۔

التفسير مولانا مفتی محمود

(۲۹) ایضاً، ج۱: ص۲۷۵.

(۳۰) ایضاً، ج۱: ص۵۴۳.

(۳۱) ایضاً، ج۲: ص۵۴.

(۳۲) ایضاً، ج۲: ص۲۹۷.

(۳۳) ایضاً، ج۲: ص۳۶۵.

(۳۴) ایضاً، ج۳: ص۱۵۷.

(۳۵) ایضاً، ج۱:ص۲۲۱،۲۲۲، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ایضاً:ص۲۲۱،۲۲۵،۲۳۶،۲۴۲،۲۴۳.

(۳۶) ایضاً، ج۱:ص۲۳۵.

(۳۷) ایضاً، ج۱:ص۲۴۲_۲۴۳.

(۳۸) صحیح بخاری، کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاھلیة.

(۳۹) تفسیر محمود، ج۱:ص۲۷۷، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ج۱:ص۹،۱۳، ۱۵۱_۱۵۹، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۳۱، ۲۹۳،

ج۳:ص۳۷، ۱۱۹_۱۴۱

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۶، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

علامہ محمد حسین طباطبائی ...... صاحب تفسیر المیزان

ڈاکٹر زاہد علی زاہدی

Allama Muhammad Hussain Tabatabai has written one of the most valuable exegesis of Quran in the name of "Al Mizan fi Tafseer ul Quran" in Arabic language in 20 volumes. Allama Tabatabai was born in Tabrez, Iran. He has received his basic education from his home town then he moved to Najaf, Iraq where he learned Islamic Philosophy, Islamic Jurisprudence and Principles of Jurisprudence from renowned scholars. He has written many books on history, jurisprudence and doctrine of Islam but he is well known for his works on Islamic Philosophy. His annotations on Mulla Sadra Sherazi's al Asfar and his two books, Bidayatul Hikmah and Nihayatul Hikmah for the students of Islamic Philosophy are notable works but his remarkable work on Islamic Philosophy

is Usool-e-Falsafah wa Rawish-e-Rialism (the Principles of Philosophy and the methodology of Realism) a critical and comparative work on Western Philosophy and Muslim Philosophy.

In this article the biography of Allama Tabatabi has been discussed in length. His scholarly works, his teachers as well as students have been mentioned. It is notable that most of the teachers and scholars of Islamic Philosophy of present Iran and the leaders of Islamic revolution of Iran are students of Tabatabai including Mutahheri, Khamenei, Muntazari, Makarim Sherazi, Beheshti and Bahonar. Prof. Henry Corbin and Dr. Hosein Nasr of American Universities are also among his disciples. Also his marvelous commentary on Holy Quran Al-Mizan has been discussed with three dimensions i.e. Tafseer Quran bil Quran (Exegesis of Quran with the help of Quranic verses), the sociological aspects of Al-Mizan and the Philosophical aspects of Al-Mizan. These aspects givespecial status to tafseer Al Mizan.

ایران کے شمالی مغربی صوبہ آذربائیجان کا مرکز اور تاریخی و علمی شہر تبریز ایک مردم خیز سرزمین ہے جہاں بڑی بڑی علمی شخصیات پیدا ہوئیں اور انہوں نے دنیا بھر میں شہرت حاصل کی۔ علامہ امینی صاحب الغدیر اسی شہر کا سرمایہ ہیں۔ جس شخصیت کا تعارف اس مقالہ میں کرایا جارہا ہے وہ بھی اسی شہر تبریز میں ایک سادات اور علمی گھرانہ میں ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے (۱) یعنی علامہ سید محمد حسین طباطبائی جو والد کی طرف سے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور والدہ کی

طرف سے امام حسین علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اپنے اجداد میں سے ایک نمایاں بزرگ ابن طبا طبا کی اولاد ہیں جنہوں نے بنی عباس کے زمانے میں قیام کیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔(۲) آپ کے دادا شیخ محمد حسین نجفی نے چالیس جلدوں میں فقہ استدلالی پر ایک معرکۃ الآرا کتاب جواہر الاکلام فی شرح شرائع الاسلام لکھی جو کہ علامہ حلی کی شرائع الاسلام کی شرح ہے۔ علامہ طباطبائی ابھی پانچ سال کی عمر میں تھے کہ والدہ رحلت فرما گئیں اور بعد ازاں جب آپ نو سال کی عمر میں پہنچے تو والد ماجد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بچپن اور جوانی میں اسی شہر میں تحصیل علم کیا اور بعد ازاں نجف اشرف چلے گئے جو کہ اس زمانہ میں عالم تشیع کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ اپنے بچپن کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں کہ "ابتدا میں جب میں صرف و نحو پڑھتا تھا تو مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا اور پڑھائی میں دل بھی نہیں لگتا تھا لیکن پھر خدا کی ایسی عنایت ہوئی کہ ایک دم سب کچھ سمجھ میں آنے لگا اور پھر میں اس طرح ہر درس میں بیٹھتا تھا کہ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ استاد کی کوئی بات میری سمجھ میں نہ آئی ہو یا استاد کی کسی بات میں اشکال پیدا ہوا ہو۔ نہ ہی میں استاد سے زیادہ سوال کیا کرتا تھا۔ الحمد للہ سترہ سال تک اسی طرح تعلیم حاصل کرتا رہا کہ کبھی تھکن کا احساس نہیں ہوا۔ بعض اوقات رات رات بھر مطالعہ کرتا یہاں تک کہ صبح ہو جاتی لیکن تھکن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔" (۳)

وہ خود ایک مقام پر کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں مدارس میں نصاب کی موجودہ شکل نہیں ہوتی تھی بلکہ مختلف کتاب کی صورت میں طلاب کو پڑھایا جاتا تھا جس میں سرفہرست قرآن کریم تھا۔ بعد ازاں میں نے گلستان و بوستان، سعدی شیرازی، نصاب الصبیان، انوار سہیلی، اخلاق مصور، تاریخ معجم، منشآت امیر نظام و ارشاد الحساب کی تکمیل کی۔ اس کے بعد عربی ادب کی باری آئی تو امثلہ، صرف میر و تصریف نحو میں العوامل فی النحو، انموذج، صمدیہ، الفیہ ابن مالک ہمراہ با شرح سیوطی و کتاب نحو جامی، مغنی اللبیب ابن ہشام وغیرہ پڑھی۔ اس کے ساتھ معانی و بیان میں کتاب المطول تفتازانی، فقہ میں الروضۃ البہیۃ المعروف بہ شرح لمعہ شہید ثانی، مکاسب شیخ انصاری، اصول فقہ میں المعالم فی اصول الفقہ شیخ زین الدین، قوانین الاصول میرزای قمی، رسائل شیخ انصاری، کفایۃ الاصول آیت اللہ آخوند خراسانی، اور منطق میں الکبری فی

المنطق، الحاشیہ، شرح الشمسیہ، فلسفہ میں الاشارات و الالٰہیات ابن سینا، علم کلام میں کشف المراد خواجہ نصیر الدین پڑھی اور فلسفہ متعالیہ و عرفان کو تمام کیا۔(۴) ان کتابوں کے نام لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ موجودہ دینی تعلیم کے نصاب میں اور روایتی تعلیمی نصاب میں ایک تقابل ہو سکے اور یہ اندازہ ہو سکے کہ ہمارے بزرگ علماء نے اپنے درسی نصاب میں کن کتابوں کو پڑھا اور کس طرح وہ اس مقام پر پہنچے۔ واضح رہے کہ اس زمانے میں تعلیم کا مقصد نہ سند کا حصول ہوتا تھا اور نہ نوکری کا بلکہ صرف اور صرف علم و آگہی کا حصول مقصد تعلیم ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ نہ داخلہ فارم ہوتا تھا نہ امتحان کا انتظام نہ رزلٹ نہ مارکس شیٹ بس تعلیم ہی واحد مقصد تھا۔

نجف اشرف پہنچتے ہی طباطبائی آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی کے اصول فقہ کے درس خارج میں شریک ہو گئے اور پھر چھ سال کے بعد آیت اللہ نائینی کے فقہ و اصول فقہ کا دورہ مکمل کیا جس میں آٹھ سال مزید لگے۔ ساتھ ہی علم رجال کے لیے آیت اللہ کوہکری کے دروس میں حاضری دی۔ معارف الٰہیہ، اخلاق اور حدیث کے لیے آپ نے اپنے زمانے کے عارف کامل آیت اللہ سید علی آقا قاضی طباطبائی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا جن کی سرپرستی میں آپ نے سیر و سلوک و مجاہدات نفسانیہ و ریاضات شرعیہ کے مقامات طے کیے۔(۵)

علامہ محمد حسین طباطبائی کو صاحب تفسیر المیزان کہا جاتا ہے کیونکہ وہ المیزان فی تفسیر القرآن کے مؤلف ہیں جو کہ عالم اسلام کی ایک نہایت بلند پایہ علمی و فلسفیانہ تفسیر ہے جس پر ہم مضمون کے آخر میں تبصرہ کریں گے تاہم علامہ طباطبائی کا نام تفسیر قرآن کے ساتھ ساتھ جس شعبہ میں شہرت دوام رکھتا ہے وہ ہے اسلامی فلسفہ۔ جس طرح مسلمانوں کے دیگر مکاتب فکر میں دینی حلقوں میں فلسفہ رفتہ رفتہ ناپید ہو گیا بلکہ مردود ٹھہرا اسی طرح شیعہ حوزہ ہای علمیہ میں بھی فلسفہ پر برا وقت آیا لیکن امام خمینی اور علامہ طباطبائی نے اس کو زندہ کیا اور بعض حلقوں کی تمام تر مخالفت کے باوجود وہ فلسفہ پڑھاتے رہے اور شاگرد تیار کرتے رہے۔ خود علامہ طباطبائی نے فلسفہ کس سے پڑھا؟ اس بارے میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے استاد حکیم اسلامی سید حسین بادکوبہ ای تھے کہ جن سے میں نے منظومہ سبزواری، اسفار و مشاعر سبزواری، اسفار و مشاعر ملاصدرا، شفاء ابن سینا، کتاب اثولوجیای ارسطو، تمہید القواعد ابن ترکہ و اخلاق ابن مسکویہ

کو پڑھا۔ وہ کہتے ہیں کہ استاد بادکوبہ ای نے مجھے خاص تربیت دی اور فلسفہ کی گہرائی میں پہنچا دیا اور اس قابل بنایا کہ میں نے ان کی طرح طرز استدلال کو سیکھ لیا اور پھر انہوں نے خود مجھے حکم دیا کہ میں علم ہیئت اور علم نجوم کے لیے استاد بزرگوار سید ابوالقاسم خوانساری کے درس میں حاضری دوں۔ اس طرح میں نے ان سے ہیئت و نجوم کے علاوہ ریاضیات عالی اور علم ہندسہ بھی سیکھ لیا۔(۶)

علامہ طباطبائی نے فلسفہ میں ایسی کتابیں لکھیں جو کہ اس زمانے میں رائج مغربی فلسفہ کا جواب بھی تھیں اور اسلامی فلسفہ کا نصاب بھی۔ مغربی فلسفہ کے رد میں اسلامی فکر کے ساتھ انہوں نے کتاب اصول فلسفہ و روش ریالیسم لکھی جس کو بعد ازاں ان کے ہونہار شاگرد و استاد شہید مرتضیٰ مطہری نے اپنے حاشیہ کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ فلسفہ کے طالب علموں کو ملا صدرا کی معروف تصنیف اسفار اربعہ سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے اس کے لیے اسفار کی کئی شرحیں لکھی گئیں ہیں علامہ طباطبائی نے اسفار پر ایک حاشیہ لکھ کر اس مشکل کو آسان کرنے کی کوشش کی پھر بھی نئے طالب علموں کے لیے فلسفہ کے شعبہ میں داخل ہونے میں ایک دشواری کا سامنا رہتا ہے کیونکہ جو کتابیں نصاب میں شامل ہیں وہ بنیادی طور پر نصاب کے لیے نہیں لکھی گئی ہیں۔ یہ مشکل تقریباً علوم اسلامی کے ہر شعبہ میں موجود ہے۔ علامہ طباطبائی نے اس مشکل کو حکمت متعالیہ کی حد تک کم کرنے کی خاطر بدایۃ الحکمۃ اور نہایۃ الحکمۃ لکھی تاکہ طالب علم ابتدائی طور پر اگر یہ دو کتابیں پڑھ لے تو وہ فلسفہ کے عمیق مباحث میں وارد ہو سکتا ہے۔ نجف میں قیام کے دوران آپ نے کئی کتابیں لکھیں:

۱۔ رسالة فی البرهان
۲۔ رسالة فی المغالطة
۳۔ رسالة فی الافعال
۴۔ رسالة فی الترکیب
۵۔ رسالة فی الاعتباریات (الافکار التی یخلقها الانسان)
۶۔ رسالة فی النبوة منامات الانسان

بعض معاشی مسائل کے سبب علامہ طباطبائی نے نجف اشرف سے تعلیم مکمل کر کے واپس اپنے شہر یعنی تبریز میں تبلیغ دین کا فیصلہ کیا تاہم خود ان کا کہنا ہے کہ انہیں اس طرح تبلیغ و تحقیق کے مواقع میسر نہیں ہوئے جیسا کہ وہ چاہتے تھے پس انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایران کے علمی اور مقدس شہر قم کا رخ کیا جائے۔ تبریز میں دس سال قیام کے دوران وہ فارغ نہیں رہے بلکہ اس دوران انہوں نے درج ذیل کتابیں لکھیں:

۱۔ رسالة فی اثبات الذات
۲۔ رسالة فی الصفات
۳۔ رسالة فی الافعال
۴۔ رسالة فی الوسائط بین الله و الانسان
۵۔ رسالة فی الدنیا
۶۔ رسالة فی بعدالدنیا
۷۔ رسالة فی الولایة
۸۔ رسالة فی النبوة این رساله ها در مقایسه بین عقل و نقل است.
۹۔ رسالة فی انساب السادات الطباطبائیین فی آذربایجان

۱۳۲۵ ہجری میں قم آنے کے بعد انہیں وہ روحانی اطمینان حاصل ہوا جس کی انہیں تمنا تھی حالانکہ تبریز میں وہ مادی اعتبار سے فارغ البال تھے اور اپنی آبائی زمین میں کاشتکاری کے ذریعے بہتر مادی زندگی بسر کر رہے تھے۔ قم میں ان کے ابتدائی گھر کے بارے میں ان کے فرزند سید عبد الباقی طباطبائی بیان کرتے ہیں کہ اس میں صرف دو کمرے تھے اور باورچی خانہ نہیں تھا لہٰذا ایک کمرے میں ہی باورچی خانہ بھی قائم تھا۔(۷) لیکن علامہ طباطبائی کا مقصد یہ سب کچھ نہیں تھا اس لیے آپ کو ایسے شاگرد مل گئے جن کی تربیت کے ذریعے انہوں نے اسلامی فلسفہ کو نئی زندگی عطا کی اور آج تقریباً ایک پوری صدی کی محنت کے نتیجے میں فلسفہ بارآور ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی وہ علمی نگارشات سامنے آئیں جن کے سبب قم جیسے علمی مرکز میں جہاں بڑے بڑے فقہاء و مجتہدین موجود ہیں جن کی علمی نگارشات سے کتب خانے اور کتاب فروشی

کے مخالف بھرے پڑے ہیں، آپ کے نام کے ساتھ علامہ کا لقب مستقل لگ گیا۔ شیعہ علماء و فقہاء میں علامہ کا لقب علامہ حلی کے بعد علامہ امینی اور علامہ طباطبائی کے نام کے ساتھ لگایا جاتا ہے (البتہ پاکستان اس سے مستثنیٰ ہے جہاں ہر ایک کے ساتھ تبرک کے طور پر لگا دیا جاتا ہے)۔ قم میں آپ نے درج ذیل کتابیں تالیف کی:

۱۔ المیزان فی تفسیر القرآن، بیس جلدوں میں عربی زبان میں معرکۃ الآراء تفسیر۔

۲۔ اصول فلسفہ و روش رئالیسم، پانچ جلدوں میں مغربی فلسفہ اور اسلامی فلسفہ کا تقابل۔

۳۔ تعلیقۃ علی کفایۃ الاصول، علم اصول فقہ کی کتاب پر حاشیہ

۴۔ تعلیقۃ علی کتاب الاسفار تالیف ملاصدرای شیرازی

۵۔ وحی یا شعور مرموز

۶۔ رسالہ ای در حکومت اسلامی بہ زبانہای فارسی، عربی و آلمانی

۷۔ گفتگو با پروفسور کربن در بارہ شیعہ جو بعد ازاں کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

۸۔ گفتگو با پروفسور کربن سال در بارہ نقش تشیع در جہان امروز

۹۔ رسالۃ فی الاعجاز

۱۰۔ علی و الفلسفۃ الالھیۃ، اس کا فارسی اور اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

۱۱۔ شیعہ در اسلام، تاریخ تشیع پر مختصر لیکن جامع تحریر جو پروفیسر ہنری کربن کی فرمائش پر لکھی گئی۔

۱۲۔ قرآن در اسلام جس میں علوم قرآن اور مقدمہ تفسیر کے موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔

۱۳۔ تعریف شیعہ کے حوالے سے وہ تمام باتیں جو ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر کانت مورگان سے دوران گفتگو پیش کی گئیں۔

۱۴۔ سنن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ کہ محمد ہادی فقہی نے جس کو ۴۰۰ صفحات میں ترجمہ کیا ہے۔

علامہ طباطبائی قم میں اپنے فلسفہ کے دروس کے علاوہ تہران میں تفسیر قرآن کا درس دیا کرتے تھے جس میں کچھ مخصوص لوگ شرکت کرتے تھے۔ اس درس کے لیے وہ قم سے تہران بس کے ذریعے سفر کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے محسوس کیا کہ ایک ایسی تفسیر کی اشد ضرورت ہے

جو دور حاضر کے علمی چیلنج کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہو البتہ اس کام کے لیے انہوں نے عربی زبان کا انتخاب کیوں کیا؟ اس کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ وہ چاہتے تھے کہ پورے عالم اسلام کو اس تفسیر سے استفادہ کا موقع مل سکے لہذا انہوں نے عربی میں یہ تفسیر لکھی۔ (۸)

اب ہم علامہ طباطبائی کی اس معرکۃ الآراء تفسیر کی بعض خصوصیات پر بحث کریں گے جو کہ کتب تشیع ہی کی نہیں بلکہ عالم اسلام کی ایک بڑی تفسیر ہے۔ بیس جلدوں پر مشتمل المیزان فی تفسیر القرآن علامہ طباطبائی کی محنت شاقہ اور علمی موشگافیوں کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ عالم تشیع کی علمی دنیا میں اس سے پہلے تک علامہ طبرسی کی تفسیر مجمع البیان کا نام سرفہرست تھا تاہم المیزان کی تالیف کے بعد شیعوں کی نمائندہ تفسیر المیزان قرار پائی۔ تفسیر المیزان کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تفسیر قرآن بالقرآن ہے۔ یعنی پہلے مرحلے میں ہر آیت کی تفسیر کرنے سے پہلے اس موضوع پر موجود تمام آیتوں کو ایک خاص ترتیب سے جمع کر لیا گیا ہے اور پھر ان آیات سے قرآنی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علامہ طباطبائی نے اس روش کو ایجاد کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ علامہ طباطبائی کی روش تفسیر پر ایک خوبصورت کتاب آقای علی اوسی نے لکھی ہے جس کا نام ہے الطباطبایی و منهجه فی تفسیره المیزان۔ وہ خود کہتے ہیں کہ بعض مواقع پر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی قرآنی آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کی ہے ایک مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ فسر الرسول الأعظم قوله تعالى: ولم يلبسوا ايمانهم بظلم (انعام/ ۸۲)، لم يلبسوا ايمانهم بالشرک و استدل بقوله تعالى: ان الشرک لظلم عظيم (لقمان/ ۱۳)۔

دوسرے جملے حضرت علی علیہ السلام سے منسوب ہیں کہ القرآن يشهد بعضه ببعض، القرآن يفسر بعضه بعضا۔ یعنی قرآن کریم کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی شہادت دیتا ہے۔

ایسی مثالیں بعض صحابہ کرام کی تفسیر میں بھی ملتی ہیں مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت قالوا ربنا امتنا اثنتين و احييتنا اثنين اور آیت كيف تكفرون بالله و كنتم امواتا فاحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم کو ایک دوسرے کا شاہد

قرار دیا۔

علامہ طبری، زمخشری اور ابن تیمیہ نے بھی بعض مواقع پر یہی روش اپنائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ علامہ طباطبائی اس روش کے بانی نہیں ہیں لیکن جس انداز سے انہوں نے پورے قرآن کریم میں اس روش کو پیش نظر رکھا ہے اور ہر ہر آیت کی تفسیر میں اس اصول کو اپنایا ہے کسی اور نے نہیں کیا۔ فرض کریں کسی آیت کی تفسیر میں طبری نے بھی دیگر آیتیں پیش کی ہیں اور طباطبائی نے بھی تاہم طباطبائی نے اتنی زیادہ مثالیں پیش کی ہیں اور اس قدر واضح مثالیں دی ہے کہ مطلب زیادہ روشن ہو جاتا ہے اور مجمل بیان مفصل بیان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اکثر تفاسیر میں کسی آیت سے اگر کئی معنی نکل رہے ہوں تو ایک یا دو معنی پر اکتفا کیا گیا ہے اور زیادہ معانی بیان کرنے سے گریز کیا گیا ہے کہ کہیں تفسیر بالرای نہ ہو جائے۔ اکثر ایک معنی پر دوسرے معنی کو ترجیح دینے کے بجائے ایک سے زائد معنی کو صحیح قرار دینے کی کوشش کی گی ہے تاہم تفسیر المیزان میں اس کے برخلاف بیسیوں معنی ذکر کیے گئے ہیں اور پھر مفسر نے اپنی ترجیح کو دلائل کی مدد سے دیگر مفاہیم پر سبقت دلانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ المیزان میں قرآنی و اسلامی اصطلاحات کی وضاحت کے لیے بھی آیات قرآنیہ کا سہارا لیا گیا ہے۔ مثلاً توحید، دعا، جہاد، رزق، برکت جیسی اصطلاحات جو کہ زبان زد عام ہونے کی وجہ سے بعض اوقات اپنا حقیقی مفہوم کھو دیتی ہیں اور معروف معنی میں مستعمل ہونے لگتی ہیں اور جس سے بعض اوقات علمی حلقوں میں بھی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ علامہ نے ان اصطلاحات کے لیے اس طرح قرآنی آیات سے استفادہ کیا ہے کہ ان کا صحیح مفہوم قاری کے ذہن میں اتر جاتا ہے۔

ایک دلچسپ چیز جو کہ المیزان کے ذریعے سامنے آئی وہ یہ کہ تفسیر قرآن بالقرآن کے نتیجے میں آیات کی موضوعی تفسیر خود بخود بنتی چلی گئی اور اس طرح المیزان ایک تفسیر موضوعی بھی بن گئی۔ المیزان کی خوبی یہ بھی ہے کہ علامہ کے سامنے ہی اس کی عربی اور پھر فارسی میں تین جلدوں پر مشتمل اس کی فہرست موضوعی تیار ہو گئی جس میں موضوعات کے علاوہ اعلام، آیات اور احادیث وغیرہ کی فہرست بھی شامل ہے جس کے مؤلف آقای الیاس کلانتری ہیں۔ المیزان کے سامنے فہرست موضوعی رکھ لی جائے تو المیزان ایک عظیم دائرۃ المعارف کی صورت اختیار کر لیتی

ہے جس میں اسلامی موضوعات پر نہایت علمی مقالے موجود ہیں۔ شاید انہی خوبیوں سے متاثر ہو کر تفسیر المیزان کی کچھ جلدوں کے مترجم اور علامہ طباطبائی کے ایک شاگرد آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی نے تفسیر موضوعی کا سلسلہ شروع کیا ہے جو تا حال جاری ہے۔ اس طرح تفسیر کی ایک نئی قسم سامنے آئی۔

تفسیر المیزان کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں تفسیر کے دوران عمرانی علوم کے مباحث کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور شاید یہ اس اعتبار سے واحد تفسیر ہے کہ جو عمرانی علوم کے نقطہ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کا تعلق فقط فرد کی انفرادی زندگی سے نہیں ہے بلکہ اسلام ایک معاشرتی دین ہے اور اس کی تمام تر تعلیمات پورے معاشرے کے لیے ہے اور اس حوالے سے قرآن کریم میں بہت کچھ آیا ہے تاہم اب تک اس بارے میں بہت کم کام ہوا ہے۔ کچھ لوگوں نے قرآنی عمرانیات پر کتابیں بھی لکھی ہیں تاہم اب تک کوئی ایسی تفسیر سامنے نہیں آئی جس میں عمرانی پہلوؤں کو خاص اہمیت دی گئی ہو۔ علامہ طباطبائی نے اس اعتبار سے ایک نیا پہلو پیش نظر رکھ کر تفسیر لکھی۔ سب سے پہلے وہ ہر آیت کے موضوع پر دیگر آیات پیش کرتے ہیں، پھر اس موضوع پر احادیث و روایات کو درج کرتے ہیں اور پھر اگر اس کا کسی بھی اعتبار سے عمرانی علوم سے تعلق ہو تو اس کو خاص اس اعتبار سے زیر بحث لاتے ہیں۔

المیزان فی تفسیر قرآن کا تیسرا نہایت اہم پہلو اس کا فلسفیانہ مباحث پر مشتمل ہونا ہے۔ علامہ طباطبائی ایک مفسر کے ساتھ ساتھ فلسفہ کے استاد بھی تھے۔ ان کی کتابیں اصول فلسفہ و روش ریالیسم، بدایۃ الحکمۃ اور نہایۃ الحکمۃ اسلامی فلسفہ اور مغربی فلسفہ پر ان کی گہری نظر کی جانب اشارہ ہے۔ علامہ طباطبائی ان لوگوں میں سے ہیں جو فلسفہ کو شجر ممنوعہ سمجھنے کے بجائے اس کو خدا، کائنات اور انسان کے درمیان ایک عقلی و منطقی رابطہ کی مابعد الطبیعاتی تشریح سمجھتے ہیں۔ لہٰذا جہاں جہاں قرآن کریم میں اس رابطہ کی بحث آئی ہے وہاں انہوں نے بو علی سینا اور ملا صدرا شیرازی کی راہ پر چلتے ہوئے اس کی فلسفیانہ توجیح پیش کی ہے۔ حکمت اسلامی جس کو حکمت متعالیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو خدا تک لے جاتی ہے اور یہ دیگر فلسفیانہ نظریات

سے یکسر مختلف ہے جو انسان کو گمراہ کرتی ہے یا خدا کے وجود کا انکار کرتی ہے اور جس کے رد میں امام غزالی نے تہافۃ الفلاسفہ لکھی۔ المیزان نے حکمت متعالیہ کو ایک نئی روح عطا کردی ہے اور جو لوگ ہر طرح کے فلسفہ کو دین کا دشمن سمجھتے ہیں ان کے لیے یہ ایک مسکت جواب ہے۔اسی طرح جو لوگ مغربی فلسفہ سے متاثر ہیں اور سمجھتے ہیں انسان اور کائنات کے ارتباط کے بارے میں صرف مغربی فلسفہ تشفی بخش جواب دیتا ہے ایسے لوگوں کو المیزان کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ وہ دیکھیں کہ قرآن کریم اس بارے میں کیا کہتا ہے؟

علامہ طباطبائی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تفسیری روش کے چار عوامل بیان کیے ہیں۔ پہلا عامل یہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ وتابعین نے آیات کے ادبی پہلو، شان نزول، مختصر استدلال اور تاریخی واقعات اور مبدا و معاد کے بارے میں احادیث سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں اس میں علم کلام کی بحثیں شامل ہوگئیں۔ دوسری جانب پہلی صدی ہجری کے آخر میں فلسفہ یونان کی آمد سے عقلی مباحث کا آغاز ہوگیا جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وسعت اختیار کرگیا۔ تیسری جانب فلسفیانہ وعقلی مباحث کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں تصوف اور عرفانی مباحث نے بھی اپنی جگہ بنائی جس کے نتیجے میں دینی معارف و حقائق کو لفظی وعقلی دلیل و برہان کے بجائے مجاہدہ و ریاضت نفس کے ذریعے حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوگیا۔ چوتھی سمت یہ ہوا کہ کچھ لوگوں نے قرآنی آیات کو روایات و احادیث کے ظاہری الفاظ ہی کے ذریعے سمجھنے اور ان کے معانی کے ادراک کی بابت آیات کے ادبی پہلوؤں کے علاوہ کسی بھی دوسری جہت میں بحث و تحقیق اور غور وفکر کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔

طباطبائی کہتے ہیں کہ یہ وہ چار عوامل تھے جن کے باعث قرآن مجید کی تفسیر میں علماء و محققین کی روش میں یکسانیت نہ رہی اور سب سے بڑھ کر تفسیر کے باب میں اہل علم تحقیق کی روش وطریقہ بحث کے مختلف ہونے کا سبب ان کے مذاہب ومسالک کا مختلف ہونا تھا اور اسی مذہبی تفرقہ ومسلکی اختلاف کے سبب مسلمانوں کے درمیان کلمہ توحید و رسالت یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ظاہری الفاظ کے علاوہ کسی بات پر اتفاق رائے قائم نہ ہوسکا اور اس کے علاوہ ہر مسئلہ میں اختلاف رائے پیدا ہوگیا، چنانچہ خداوند عالم کے اسماء مبارکہ، صفات مقدسہ و افعال

کریمہ، آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے، زمین اور جو کچھ اس میں ہے، قضا وقدر، جبر وتفویض، ثواب و عقاب، موت، برزخ، بعث ونشر، قبر سے اٹھنا، قیامت کے دن خدا کی بارگاہ میں حاضری، بہشت و دوزخ مختصر یہ کہ ان تمام مسائل کے معانی و مفاہیم میں اختلاف نظر پیدا ہوگیا جن کا تعلق کسی بھی پہلو سے دینی حقائق و معارف سے تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل اسلام میں قرآنی آیات کے معانی کو سمجھنے کی روش اور طریقہ بحث میں اختلاف پیدا ہوا اور ہر ایک گروہ نے اپنے مذہب کے مطابق تفسیر قرآن کا مخصوص طریقہ وضع کرلیا۔(۹)

علامہ طباطبائی نے بعض محدثین کی اس تفسیری روش پر تنقید کی ہے کہ جس میں وہ صرف ان آیات کی تفسیر کرتے ہیں جن کے بارے میں کوئی حدیث یا روایت موجود ہو اور اس کے علاوہ توقف کی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور اسی کو تفسیر بالماثور سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ موقف غلط ہے کیونکہ اس طرح انہوں نے عقل وفکر کی قوتوں کو بے کار کردیا اور تفکر و تدبر کے عمل کو بے سود قرار دے دیا اور صرف روایات و احادیث کے ظاہری الفاظ سے تمسک اختیار کرنے پر اکتفاء کیا جبکہ ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ خداوند عالم نے اپنی مقدس کتاب، قرآن مجید میں عقل کو حجت قرار دینے کی ہرگز مخالفت و ممانعت نہیں کی اور نہ ہی عقلی حقائق کو غلط و نادرست قرار دیا ہے اور یہ بات کیونکر ممکن و معقول ہے کہ قرآن عقل وفکر کو حجت قرار نہ دے جبکہ قرآن مجید اور اس کے کلام خدا ہونے کی اصل دلیل ہی عقل ہے لہذا صورت حال اس کے برعکس ہے۔(۱۰)

علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے اپنی بھرپور علمی زندگی میں جہاں قابل قدر تصانیف چھوڑی ہیں وہیں اپنے شاگردوں کی بھی ایسی قطار چھوڑ کر گئے ہیں جو ان کے بعد بھی ان کی راہ پر چلتے ہوئے حکمت اسلامی کی خدمت میں مصروف ہیں اور مزید ہزاروں شاگرد تیار کررہے ہیں۔ ایران کے اسلامی انقلاب کے اہم رہنماؤں کو اگر دیکھا جائے تو زیادہ تر فکری کام کرنے والے امام خمینی اور علامہ طباطبائی کے شاگرد نظر آئیں گے اور یہ دونوں ہی فلسفہ کے اساتید ہیں البتہ امام خمینی نے فلسفہ پر کوئی تصنیف نہیں چھوڑی جبکہ علامہ طباطبائی نے اس حوالے سے اہم کام کیے۔ ایران کے موجودہ رہبر انقلاب آیت اللہ خامنہ ای بھی علامہ طباطبائی کے شاگردوں

میں سے ہیں۔ استاد شہید مرتضیٰ مطہری جن کی فکر کو ایران میں سرکاری طور پر سرپرستی حاصل ہے اور جن کی شہادت پر امام خمینی نے کہا تھا کہ مطہری میری عمر کا حاصل تھا، وہ بھی امام خمینی کے ساتھ ساتھ علامہ طباطبائی کے شاگرد تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام خمینی اپنی سیاسی تحریک کے سبب شاہ ایران کے عتاب کا شکار ہوئے اور طویل عرصہ تک عراق، ترکی اور فرانس میں جلاوطن رہے اس دوران علامہ طباطبائی قم میں جن شاگردوں کی تربیت کر رہے تھے وہ انقلاب کی فکری بنیادوں کی تعمیر میں مصروف تھے اور آج بھی وہ انقلاب کی فکری بنیادوں کے محافظ ہیں۔ استاد مطہری کے بارے میں طباطبائی فرماتے ہیں کہ جب درس میں مطہری آتے تھے تو خود ان کا شوق رقصاں ہوجاتا تھا۔ ڈاکٹر محمد حسین بہشتی بھی علامہ کے شاگرد تھے جو پارلیمنٹ کے اسپیکر کے عہدے پر فائز ہوئے اور بعد ازاں اپنے بہتر (۷۲) ساتھیوں کے ساتھ حزب اسلامی کے دفتر میں بم دھماکے کے نتیجے میں شہید ہوگئے۔ بہشتی کے جگری دوست اور انقلاب اور پارلیمنٹ کے ساتھی ڈاکٹر باہنر بھی علامہ کے شاگرد تھے اور دونوں ساتھ ہی درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ امام خمینی کے فرزند سید مصطفیٰ خمینی بھی طباطبائی کے شاگرد رشید رہے جن کو نجف میں انقلاب سے قبل شہید کردیا گیا۔ انقلاب کے ایک اہم شہید استاد مفتح ہیں جو علامہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ علامہ کے ایک نامور شاگرد امام موسیٰ صدر بھی ہیں جو لبنان کے شیعوں کے انقلابی رہنما تھے اور لیبیا کے ایک سرکاری دورے کے دوران غائب ہوگئے اور جن کا آج تک سراغ نہیں مل سکا۔ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے جو کہ علامہ طباطبائی کے بہت قریب رہے ان کی فرمائش پر المیزان کی بعض جلدوں کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا۔ آج کل وہ ایران میں سب سے بڑے مجتہد سمجھے جاتے ہیں اور بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس وقت ایران میں دو بہت بڑے فلسفہ کے استاد آیت اللہ جوادی آملی اور آیت اللہ حسن زادہ آملی ہیں یہ دونوں ہی علامہ طباطبائی کے شاگرد ہیں جو اپنی علمی صلاحیتوں سے ہزاروں طالب علموں کی تربیت کر رہے ہیں۔ ایک بڑا نام آیت اللہ مصباح یزدی کا ہے جو بیسیوں کتابوں کے مصنف اور فلسفہ، کلام، تاریخ اور فقہ کے بڑے استاد سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ آیت اللہ حسین حسینی تہرانی، سید جلال الدین آشتیانی، شیخ عباس ایزدی، سید عبدالکریم موسوی اردبیلی، عز الدین زنجانی، ابراہیم امینی،

یحییٰ انصاری، سید محمد باقر ابطحی، حسین نوری ہمدانی، سید مہدی روحانی، علی احمدی میانجی، احمد احمدی، ڈاکٹر غلام حسین ابراہیمی دینانی، ڈاکٹر سید یحییٰ یثربی کے نام قابل ذکر ہیں۔

علامہ طباطبائی ۱۹۸۱ء کو قم میں طویل علالت کے بعد خالق حقیقی سے جاملے اور انہیں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں حرم معصومہ قم(۱) کے اس گوشہ میں دفن کیا گیا جہاں سینکڑوں علماء و فقہاء آرام کر رہے ہیں اور جس مسجد میں ہزاروں طالب علم ہر وقت علمی مباحثہ میں مشغول رہتے ہیں۔ ہزاروں زائرین جب یہاں معصومہ قم کی زیارت کے لیے آتے ہیں تو علامہ طباطبائی کی قبر پر بھی فاتحہ پڑھتے ہیں۔

حوالہ جات

1.An Introduction to the al-Mizan by Abu al-Qassim Razzaqi, Al-Allamah al-Sayyid Muhammad Husayn al-Tabataba'I (1281 - 1360/1901-1980) is one of the greatest and the most original thinkers of the contemporary Muslim world. (www.quran.org.uk/articles/ieb_quran_almizan.htm)

۲۔ ابن طباطبا ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام نے سال ۱۹۹ ہجری میں خلافت مامون رشید کے عہد میں عباسی حکومت کے خلاف قیام کیا اور رقہ کے مقام پر زہر سے شہید کر دیے گئے۔ (لغت نامہ دہخدا، www.loghatnameeh.org)

۳۔ http://www.tajalliemalakut.com/Allameh-tabatabaie.aspx

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

۶۔ http://www.azha.ir/showthread.php?tid=106

۷۔ http://www.ogie.org.ir/shavad.asp?id=123&avaid=432

۸۔ اپنی اشاعت کے ساتھ ہی المیزان کا فارسی میں بھی ترجمہ شروع ہو گیا اور عربی میں یہ تفسیر ایران کے علاوہ لبنان سے بھی شائع ہوئی ہے۔ اب تک اس کی تین جلدیں اردو میں آ چکی ہیں۔

۹۔ المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱، ص۲۰، ترجمہ مولانا حسن رضا غدیری، معراج کمپنی پاکستان، لاہور ۲۰۰۲۔

۱۰۔ ایضاً ص ۳

۱۱۔ حرم معصومہ قم، ایران کے معروف مذہبی شہر قم میں موجود حضرت فاطمہ معصومہ کے روضے کو کہتے ہیں جو حضرت امام رضا علیہ السلام کی بہن اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی دختر ہیں۔ ان کی قبر کی زیارت کے لیے دنیا بھر سے زائرین سال بھر آتے ہیں۔

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد۶، شمارہ۲۰، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کے تعلیمی افکار

ڈاکٹر حمیرا ناز

Muslim leaders of sub continent had performed the duty of ideological and epistemological guidance against the colonial power of British Empire through their knowledge, wisdom and action in every walk of life for the revival and restoration of Islamic civilization, and made a history which will no doubt be written in golden words in the history of sub continent, of course it is matter of proud for the Muslim population of Sub Continent. Among these great scholars, leaders of Ummah and history maker personalities, the name of Molana Saeed Ahmed Akber Abadi can not be ignored who played very prominent role in re awakening of the Ummah through their writings and authorship. His major

achievement in this regard was the establishment of NADWATUL MUSANIFFIN furthermore he guided Muslim Ummah through its representative magazine BURHAN in the field of education as well. He wrote long and short essays in BURHAN on educational themes to create educational awareness among Muslim. In present essay, we have collected and compiled his essays on the theme of education and try to evaluate the depth and breadth of his educational views, for which he is placed on seat of great theologian, reformist and educationalist.

ہندوستان میں برطانوی استعمار کے عزائم اور مقاصد سیاسی بھی تھے اور تہذیبی بھی۔ سیاست پر غلبہ وتسلط کے بعد برطانوی حکومت نے تہذیبی اور تعلیمی شعبے کو ہدف بنایا اور ایک نئی زبان، نئی تہذیب اور ایک نئے ثقافتی کلچر کو فروغ دیا جس کا بنیادی مقصد اسلام کو ضعف پہنچانا اور عیسائیت کو تقویت دینا تھا۔اس مقصد کے تحت ایک طرف انگریز حکومت نے ایک ایسا نظام تعلیم اور نصاب وضع کیا، جس کے ذریعے مسلمانوں کے ذہنوں میں اُن کی اپنی تہذیب وتمدن کے بارے میں تشکیک اور مغرب اور مغربی تہذیب کے بارے میں مرعوبیت پیدا کرنا تھا تو دوسری طرف عیسائی مشنری اداروں کی سرپرستی کے ذریعے عیسائیت کو فروغ دینا تھا۔

تاہم یہ ایک خوش آئند حقیقت ہے کہ مسلمان علماء و مفکرین اور تعلیمی ماہرین نے برطانوی استعمار کے مذموم مقاصد کا صحیح ادراک کیا اور اس کے تدارک کے لئے ٹھوس اقدامات کئے ۔ اس حوالے سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ، دارالمصنفین اور ندوۃ المصنفین اسی طرح کے بیسیوں ادارے ہیں جنہوں نے برطانوی استعمار کے خلاف علمی جدوجہد کی تاریخ رقم کی۔